سوال

(61)قربانی کی کھالوں کا مصرف

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قربانی کی کھالوں کا مصرف

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

اخبار ''الاعتصام ''لاہور(مورخہ26/جمادی الاول 1374 ہجری20 جنوری سن 1955 عیسوی) میں بعنوان ''قربانی کی کھال کا مصرف ''اہل حدیث کے نقطہء نظر سے مولانا محمد علی لکھنوی مدینہ منورہ کا مقالہ شائع ہوا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے جس فتویٰ پر مولانا نے تنقید فرمائی ہے۔اُس کو انھوں نے غور سے نہیں پڑھا۔ بلکہ اپنی خوش فہمی سے اس کو مسلک اہل حدیث کے مخالف اور تقریب غیر تام کا فتویٰ لگا دیا ہے۔ خیال ہے کہ کوئی زی علم ۔ منصف مزاج ہر دو مضمون پر دیکھے گا۔ تو مولانا موصوف کے مضمون کو مسلک اہل حدیث کے خلاف اور تقریب غیر تام پائے گا۔ اس لئے ہم مولانا موصوف کے مضمون پر تنقیدی نظر ضروری سمجھتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں۔ مصرف کا ایک ہی حصہ بیان کیا گیا۔ یعنی صدقہ کرنا اور مصرف کے دوسرے حصہ سے واللہ اعلم بالکل خاموشی اختیار کی گئی۔ حالانکہ دوسرا حصہ مصرف کا عہد نبوی ﷺ میں زیادہ تر صحابہ کرام معمول بہ تھا۔ جو بقول خود صحابہ حدیث صحیح میں ہے۔

ان النشں یتخذون الاسقیۃ من ضحایاہم ویحملون فیہا الورک (بخاری۔ مسلم۔ مختصراً)

بے شک صحابہ کرام قربانی کی کھال سے مشکیزے بنا کر استعمال کرتے تھے۔ اوران میں چربی پگھلا کر رکھتے تھے۔

اوردوسری قولی حدیث میں ہے۔

واستمتعوا جلودہا ولا تبیعوہا (الحدیث امام احمد)

اس کا جواب چندوجوہ ہے۔ اولاً عرض ہے کہ جواب مطابق سوال کے تھا۔ مصرف تمام صورتیں بیان کرنا مفتی کا مقصود نہ تھا لہذا مصرف بعض صورت کا زکر نہ کرنا کوئی اعتراض کی بات نہین ہے ثانیاً جس کو اپنے مصرف کا دوسرا حصہ قرار دیا ہے مصرف عام نہ تھا۔ عام مصرف تو مساکین پر صدقہ کرنا تھا کے بیان کردہ مصرف کے عام نہ ہونے پر خود حدیث یا دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ لفظ الناس معرف بالام حدیث میں آیا ہے جو عہد خارجی ہے یعنی اپنی ضرورت سے بعض صحابہ غربت کی بناء پر چرم قربانی کو استعمال کرلیا کرتے تھے اسی

غربت کو مدنظر رکھ کر شارع علیہ السلام نے انکو استمتعواجازت دی ہے۔ چنانچہ آپ بھی بھی ترجمہ حدیث کا ضروریات میں فائدہ اُٹھا کر کیا جس سے ظاہر ہے کہ یہی مصرف نہ تھا صرف بوجہ ضرورت کی بنا پر تھا۔ ثالثاً آپ نے جو حدیث کے الفاظ زکر کیے ہیں۔ وہ ان کی حیثیت میں صحابہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیے تھے۔ چنانچہ مسلم شریف کے الفاظ اس طرح سے ہیں۔

قالوا یا رسول اللہ ان الناس یتخذون الاسقیۃ من ضحایا ہم و یحملون فیھا الورک فقال رسول اللہ ما ذاک (مسلم۔ جلد2 ص158)

پھر آپ ﷺ نے ان کے متعلق کوئی صریح حکم نہیں فرمایا۔ ضمناً اس کا جواز کو سمجھا گیا ہے۔ مگر افسوس آپ نے حدیث کے الفاظ اسی طرح نقل فرمائے ہیں۔ کہ صحابہ کرام عام طور پر چرم قربانی کے مشکیزے بنا لیا کرتے تھے۔ اور وہ چرم قربانی کو صدقہ نہیں کیا کرتے تھے۔ رابعاً حدیث میں استمتعوا ولا تبیعوا کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ استمتاع ضرورت کی بنا پر تھا۔ کوئی عام مصرف چرم قربانی کا یہ نہیں تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے ان کو چرم قربانی کے بیچنے سے ہی منع فرمایا۔

خامساً۔ حدیث احمد کے رجال سند کو آپ نے زکر نہیں کیا اور نہ کسی محدث سے اس کی تصحیح تحسین بیان کی جب تک اس روایت کی تحسین و تصحیح کسی محدث سے نہ ہو حدیث قابل حجت نہیں ہو سکتی۔ نہ اس سے مصرف عام سمجھا جائے گا۔ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

دوسری سند بخاری کی جو ایک خاص واقعہ ہے جس کو قاعدہ کلیہ بنایا گیا ہے۔ لہذا نہ تو یہ تقریب تام ہے۔ نہ جواب باصواب۔ یہ جملہ بھی کہ ''یہ فقراء مقامی پر ظلم ہے'' غلط ہوا۔ جبکہ بخاری مسلم اور امام احمد کی روایت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کھال سے مشکیزے بنالیتے تھے۔ صدقہ نہیں کرتے تھے۔ تو صحابہ کرام بھی فقراء پر ظلم کرتے تھے۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ آپ کا حدیث بخاری کو ایک خاص واقعہ کہنا اور اس کو عام نہ سمجھنا اس پر کیا دلیل ہے۔ کیا نبی کریم ﷺ کا کسی بات اور حکم کیلئے امر کرنا یہ کلیہ قاعدہ وعام حکم نہیں ہوتا ہے۔؟ آپ ﷺ نے حضرت علی کو چرم قربانی مساکین پر صدقہ کرینے کا حکم فرمایا۔

رواہ البخاري وابن خزیمه لکن البخاري روي بغیر لفظ علی المساکین وابن خزیمه روي من ہذا الوجه بلفظ علی المساکین

پس اب بھی آپ اس امر نبوی ﷺ کو خاص واقعہ فرمائیں گے؟ اگر آپ کا استدلال روایات کے متعلق ایسا ہی رہا جس کو آپ نے اختیار فرمایا ہے۔ تو ہو سکتا ہے کل آپ احادیث رفع الیدین اور آمین بالجہر کو بھی ایک خاص واقعہ کہہ کر اس سنت نبوی ﷺ کے تارک ہو جائیں۔ فرمائیے کیا کسی محدث یا اہلحدیث نے اس امر نبوی ﷺ کو خاص واقعہ کہہ کر اس حدیث کو متروک العمل قرار دیا ہے۔؟ پھر آپ نے جو اس جملے کو۔ کہ فقراء مقامی پر ظلم ہے۔۔ غلط فرمایا ہے۔

اگر آپ اس پر غور کرتے تو اس کو ضرور نہ ظلم کہتے کیونکہ حدیث بخاری وغیرہ میں آیا ہے۔

توخذ من اغنیا ئہم وترد علی فقراء ہم

پہلے سے فقراء مقامی صدقہ کے حق دار ہیں۔ مگر ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ رفاہ عام کی خدمت والے ادارے چرم قربانی کو جمع کر کے اداروں اور مہتممین مدارس کو دیتے ہیں۔ جو عام طور پر بطور مصرف صحیح خرچ نہیں کرتے بلکہ اس میں سے بطور معاوضہ خدمت اپنے ملازمین پر خرچ کرتے ہیں۔ صدقہ کی حیثیت سے خرچ نہیں کرتے۔ جو شرعاً درست نہیں اسلئے آنحضرت ﷺ نے اجرت قصاب قربانی کے جانور سے دینا منع فرمائی کیونکہ یہ معاوضہ ہے۔ پس جو چیز مقامی فقراء کے حق کی ہے۔ دوسری جگہ لے جائی جائے گی تو یہ ظلم ہو گا یا نہیں؟ اگر کس صحابی نے اپنی ضرورت سے مشکیزہ بنا لیا تو یہ فقراء پر ظلم کیسے ہوا۔؟

پھر مولانا فرماتے ہیں کہ کسی ادارہ کو کھال دینے پر یہ جملہ استعمال کیا ہے۔ کہ یہ طریقہ زمانہ نبوت میں نہیں تھا۔ یہ جملہ بھی صحیح نہیں بلکہ خود جواب میں حضرت علی کا ثبوت ہے۔ کہ ان کو نبی کریم ﷺ نے لوگوں پر تقسیم کرنے کیلئے اپنا وکیل مقرر کیا تھا۔ بعینہ اسی طرح کسی ادارہ خاص کے ناظم اور مہتمم کو بھی وکیل بنا دیا جاتا ہے۔ نہ یہ کہ اس کی ذات کیلئے کھال دی جاتی ہے۔ لہذا یہ طریقہ زمانہ نبوت میں ثابت ہوا اور اس کی نفی کرنا صحیح نہ ہوا۔ آخر میں دینیات کے مدارس میں مدرسین اور خدام پر خرچ کرنے پر نزلہ گرایا گیا ہے یہ مصرف شرعی

نہیں یہ بعینہ زکواۃ میں برادرران احناف کرام کا مسلک ہے اور برادران اہل حدیث کرام اس کے بالکل مخالف ہیں۔ ہر دو،جماعتوں کے درمیان متنازعہ فیہ زکواۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف فی سبیل اللہ ہے اول زکر اس کو خاص بحق غازیان اسلام مقید کرتے ہیں۔ اور موخرالزکر اس کو عام خیراتی کاموں پر شامل گردانتے ہیں۔ الخ

جواباً عرض ہے مولنا نے جو حضرت علی پر مہتم مدرس وناظم کو قیاس کر کے وکیل بنایا ہے یہ آپ کا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ قربانی کرنے والے کسی ناظم و مہتم مدارس کو اپنا وکیل نہیں بناتے ہیں۔ کہ یہ ناظم ہماری کھالوں کو غرباء پر صدقہ کر دیں۔ بلکہ وہ لوگ کھالوں کو بطور صدقہ لے کر ان کو فروخت کر کے خود بھی ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور اپنے ملازمین اور مدرسین کو تنخواہوں پر بطور معاوضہ کے دیتے ہیں۔ ہاں کچھ حصہ طلبہ پر بھی خرچ کر دیتے ہیں۔ جس کا کسی کو انکار نہیں ہے۔ کیا حضرت علی نے وکیل بن کر قربانی کی کھالیں خود فروخت کر کے کسی معاوضے میں صرف کی تھیں۔ یا انھوں نے نبی کریم ﷺ کا وکیل بن کر صرف، مساکین پر چرم قربانی کو صدقہ کیا تھا۔؟ کیا صاحب قربانی اور اس کا وکیل قربانی کی کھالوں کو فروخت کر سکتا ہے۔؟ اور کیا حضرت علی نے آپ ﷺ سے کھالوں کا مطالبہ کیا تھا۔؟ اور کیا حضور ﷺ نے حضرت علی کو کھالیں بطور صدقہ کے دی تھیں۔ پس مولانا کیا زمانہ نبوت میں آپ ایسی نظیر پش کر سکتے ہیں۔ کہ قربانی کے چرم کو بطور معاوضہ کسی صحابی نے کسی زی ثروت یا غریب شخص کو دی ہو۔ دوسرے چرم قربانی کو مساکین پر صدقہ کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ اور کیا مساکین پر صدقہ ان کا مذہب نہیں ہے۔ آپ نے آٹھ مصارف میں مصرف فی سبیل اللہ کے عام کرنے پر بڑی فقاہت کو خرچ کیا ہے مگر افسوس آپ نے مصرف فی سبیل اللہ پر غور نہیں کیا۔ اگر فی سبیل اللہ سے مراد عام ہوتا تو پھر باقی مصارف سبعہ کا زکر کرنا ہی بیکار ہوجانا ہے۔ آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد خاص ہے اور خاص بغیر دلیل کے مراد نہیں ہوسکتا۔ اور دلیل اس پر ایک تو اتفاق مفسرین ہے جو فی سبیل اللہ کی تفسیر جہاد سے کرتے ہیں۔ اور دوسری حدیث صحیح ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں جہاد کو فی سبیل اللہ کیا ہے۔

وجاء فی حدیث ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تحل الصدقۃ لغنی الا لحسۃ لغاز فی سبیل اللہ او العامل علیھا

(محلی ابن حزم جلد5 ص153)

ووفی سبیل اللہ یعنی فی النفقۃ فی سبیل اللہ واراد الخروج الی العزوالج

(تفسیر خازن جلد2ص24)

مطبوعہ مصر اسی لئے تفسیر خازن میں قول عموم فی سبیل اللہ کر مرجوع قرار دیا ہے۔ اور قول غزوہ کو فی سبیل اللہ سے مرادلینا راجح بتایا ہے۔

کما قال والقول الاول ہوا الصحیح الاجماع الجمہور علیہ

مولانا کی اس تصنیف کو کرنا بے دلیل ہے کسی مفسر متقدمین نے اس آیت میں فی سبیل اللہ کو عام نہیں بیان کیا اس لئے علامہ ابن حزم محلی 1 میں لکھتے ہیں۔ (ج5ص151)

اس سے ظاہر ہوا کہ آیت میں فی سبیل اللہ سے عام قسم صدقات مراد نہیں ہیں۔ بلکہ اس فی سبیل اللہ سے مراد وہ خاص مصرف ہے۔ جو نص سے ثابت ہے پس چرم قربانی کا مساکین کے علاوہ کسی مسجد یا مدرسہ میں مصرف کرنا بطور معاوضہ کسی نص 1 قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ اور مولانا کا فی سبیل اللہ کے عام مطلق ہونے پر استدلال حدیث ابی داؤد وامام احمد سے کرنا جن میں حج وعمرہ کو فی سبیل اللہ کہا ہے۔ قابل غور ہے، اولاً تو یہ روایتیں ضعیف اور مضطرب ہیں۔

1۔ اس کی توضیح آگے آرہی ہے۔

حدیث،بخاری کی بنا پر حضرت علی کا آپ ﷺ کی قربانی کی کھالوں کو مساکین پر صدقہ کرنا بامر نبوی ﷺ بین دلیل ہے۔ کہ چرم قربانی کے مستحقین مساکین ہیں۔ لہذا کسی ادارے کا جو مسکین نہ ہو۔ اس کو اپنے مصرف یا ملازمین اور مدرسین مدرسہ پر جو مساکین نہیں ہیں۔ ان کو معاوضے کے طور پر چرم قربانی کا مصرف ٹھرانا کسی حدیث میں نہیں آیا۔ (اخبار الاعتصام جلد6 ش40)

توضیح

قران مجید میں ہے،۔

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ٥٩ سورة النساء

ترجمہ۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تم میں تنازع ہوجائے تو اس کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو۔ اگر تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ (پارہ نمبر 5)

پارہ نمبر 3 میں ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ٢٧٣ سورة البقرة

ان محتاجوں کو دو جو اللہ کی راہ میں بند ہو رہے ہیں۔ زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔ (علم دینی پڑھنے کی وجہ سے) ناواقف لوگ ان کو نا مانگنے سے مالدار جانتے ہیں۔ مگر تو ان کو ان کے چہرے سے پہچان لیتا ہے۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔ ترجمہ ثنائی تفسیر مدارک میں ہے۔

أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ یعنی دین کے کسی کام میں گھر گئے ہیں۔ اور اب آزادی سے کسب معاش نہیں کر سکتے۔ اصل مراد یہاں مجاہدین ہیں۔ احصار میں بڑی گنجائش ہے۔ یہ گھر جانا خواہ وقت کے لحاظ سے ہو یا جسم کے لحاظ سے سب اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ دین کا کوئی سا کام ہو۔ سب کے سب اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ گو اصل مراد جہاد ہے۔ مفسر تھانوی نے کہا ہے کہ اس آیۃ کے مصداق ہمارے ملک میں سب سے زیادہ وہ افراد ہیں۔ جو علوم دین میں جس مشغولی وانہماک کی ضرورت ہے۔ اسکے ساتھ اگر فکر معاش کی ضرورت کو جمع کر لیا جائے تو علم دین کی خدمت قائم رہ جائے گی۔

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الی جسوا لنفسهم فی سبیل لتعلم الدین او الجہاد او تبلیغ الاحکام او غیر ذالک من امور الدین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ٢٠٨ سورة البقرة

لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ

ان تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ عشر۔ زکواۃ۔ وچرم ہائے قربانی کے مستحق مجاہدین اور دینی سرحد کے محافظ علماء اور طلباء ہیں جو دین سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ اور اسلامی سرحد کے محافظ ہیں۔ اگرچہ اپنے اپنے گھر میں وہ دولت مند بھی ہوں۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو فرمایا کہ پہلے میں ذریعہ تجارت بال بچوں کی پرورش کرتا تھا اب میں مسلمانوں کے امور میں مشغول ہوگیا ہوں۔ اب میں اور میرا بال بچہ بیت المال میں کھائیں گے۔ ظاہر ہے کہ بیت المال میں عشر۔ زکواۃ۔ وغیرہ تمام قسم کے مال تھے۔ فتاویٰ غزنویہ میں امام عبد الجبار غزنویؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ صدقہ فطر اپنے گاؤں کے فقراء مساکین پر خرچ کرنا افضل ہے۔ اور اگر غیر گاؤں کے مساکین اپنے گاؤں سے زیادہ نیک ہیں۔ تو غیر گاؤں کے فقراء زیادہ مستحق ہیں۔ ظاہر ہے۔ علماء اور طلباء جو قرآن و حدیث کے درس اور تدریس میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ دیگر غرباء اور مساکین سے زیادہ نیک ہیں۔ اگرچہ موجودہ زمانے کے طلباء میں بہت سی لغزشیں رائج ہو چکی ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ عربی مدارس میں۔ عشر۔ زکواۃ۔ اور چرم ہا قربانی کو جمع کرنا جائز بلکہ افضل ہے۔ کیونکہ عربی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے اکثر غرباء مساکین اور فقراء ہی ہوتے ہیں۔ جن کے لئے مندرجہ ذیل اشیاء کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ خوردو نوش۔ کمرہ جات۔ کتابیں۔ چارپائیاں۔ بستر ے۔ روشنی۔ اور اساتذہ وغیرہ کی کی ضروریات تعلیم اگر تمام اشیاء تیار ہوں۔ لیکن معلم اور استاد نہ ہو تو فقراء اور مساکین تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔

(ابوالحسنات علی محمد سعیدی۔ جامعہ سعیدیہ خانیوال)

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

[فتاویٰ علمائے حدیث]

جلد 13 ص 159-166

محدث فتویٰ